ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر سونیا بشیر

اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی کالج برائے خواتین، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں معاشی ناآسودگی۔ایک مطالعہ

Dr Sonia Bashir *

Assistant Professor of Urdu, University College for women, AWKUM Mardan.

***Corresponding Author:**

The Study of Economic Distress in the Short Stories of Ahmad Nadeem Qasmi

Ahmed Nadeem Qasmi's short stories profoundly depict the economic hardships stemming from class divisions and conflicts. The sources of these economic struggles in his narratives encompass the British colonial legacy, war, class stratification, and poverty. His works portray how the capitalist system exploits the impoverished, leading to the tragedies that illuminate Qasmi's characters. This research paper examines the motivations behind and the devastating effects of economic distress as presented in Qasmi's short stories.

Key Words: *Ahmad Nadeem Qasmi, short stories, Economic distress, causes, colonial system, capitalist system, war, poverty, inflation.*

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں معاشی ناآسودگی کا جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ معاشی ناآسودگی کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی جائے۔ معاش عربی زبان کا لفظ ہے۔ آن لائن عربی اردو ڈکشنری میں معاش کے درج ذیل اردو معانی دیے گئے ہیں۔

معاش:(اسم)روزی کمانے، بسر کرنے کا سامان، کھانے پینے اور زندگی کا ضروری سامان، روزی تلاش کرنے کا مقام یا زمانہ، پنشن، سرکاری ملازم کو مدت متعینہ گزرنے پر خدمت سے سبکدوش کر کے دیا جانے والا وظیفہ۔ (۱)

فیروزاللغات میں معاش کے معانی کچھ یوں درج ہیں۔

معاش۔رزق، خوراک، روزی، وہ شے جس سے بسر اوقات کی جائے۔ (۲)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

لفظ آسودگی کا مآخذ فارسی زبان ہے۔ فیروزاللغات میں آسودگی کے معنی درج ذیل ہیں۔

امن وامان، چین، آرام، راحت، دولت مندی، مرفہ الحالی، فارغ البالی [۳]

ان حوالوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ناآسودگی سے مراد یہ ہے کہ جب کسی کو امن وامان، چین، آرام، مرفہ الحالی یافارغ البالی میسر نہ ہو۔ اور معاشی ناآسودگی سے مرادوہ ناآسودگی ہوگی جو رزق، خوراک، روزی یا ان اشیا کی غیر موجودگی کی بنیاد پر پیدا ہو، جو گزر بسر کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

ضروریات زندگی سانس لینے کے لیے ضروری ہیں۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں انقلابات اور جنگوں کا پیش خیمہ اکثر صورتوں میں معاشی ناآسودگی ہی بنا ہے۔ اگرچہ دیگر بھی کئی ایک عوامل حکومتوں کا تختہ الٹنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ مثلاً مذہبی جنون۔ لیکن مذہبی جنون کو بھی دیکھا پرکھا جائے تو اس کے پس پردہ بھی کچھ معاشی عوامل ہی دکھائی دیتے ہیں۔ مادی مفادات ناآسودگی کے احساس سے جنم لیتے ہیں اور حرص کی آگ بھی معاشی ناآسودگی کے شعلے کو دبانے اور بجھانے کے لیے ہی بھڑک اٹھتی ہے۔ افلاطون نے صدیوں پیشتر اس بنیادی مسئلے کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی تھی۔ اس نے اپنی کتاب ریپبلک میں کہا تھا کہ ہر شہر کے اندر دو شہر ہوتے ہیں ایک امیروں کا شہر اور دوسرا غریبوں کا شہر۔ یہ دونوں شہر ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ سیاسی کنٹرول اور امن وامان کی خاطر اس کا مشورہ بہت وقیع ہے۔ اس سلسلے میں وہ رقمطراز ہیں۔

> "If you treat them as a single city, you will achieve nothing, whereas if you treat them as several cities, offering one group the money and power - or even the people themselves — of another group, you will always have plenty of allies and few enemies.[4]

افلاطون کا مشورہ ہے کہ اسے ایک شہر سمجھ کر اس کے ساتھ برتاؤ کرنا بہت بڑی غلطی ہے بلکہ اسے کئی ایک شہر سمجھ کر چلانا ہوگا۔ کسی ایک گروہ یا دوسرے گروہ کو دولت یا طاقت دے کر، یا لوگوں کو قوت یا دولت دینے کی صورت میں ہی اتحادیوں میں اضافہ اور دشمنوں میں کمی کی جاسکتی ہے۔ دیکھا جائے تو افلاطون کے اس تجزیے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاشی ناآسودگی ریاست کی جڑیں کمزور کرنے، ریاست پر سے لوگوں کا اعتبار اٹھانے اور

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

انہیں دشمن کی صفوں میں شامل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ بات تو بہت حد تک واضح ہے کہ جب انسان پر لوازمات زندگی کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں تو وہ بھیک مانگنے، جسم فروشی کرنے، مرنے یا مارنے یا چوری اور ڈاکہ ڈالنے کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ یا کوئی منفی اقدام نہ اٹھانے کی صورت میں وہ داخلی شکست وریخت کا شکار ہوتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں اکثر صورتوں میں فرد معاشی ناآسودگی کے نتیجے میں داخلی خلفشار اور سماجی تفریق کا نشانہ بنتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی معاشی ناآسودگی انسان کو زندگی کی صف میں متحرک انداز سے شامل کرنے کی بھی ترغیب دیتی ہے۔ قاسمی صاحب کے بیشتر کردار ایسے مشکل مالی حالات میں زندگی کی جنگ لڑتے دکھائی دیتے ہیں اور اکثر صورتوں میں فاتح کے روپ میں سامنے آتے ہیں۔ کرشن چندر قاسمی کے کرداروں کی اس خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دیہاتوں کی سادہ لوحی اور ان کی ظالمانہ رسوم پرستی، محبت اور پیٹ کی پیکار، بھوک اور عزت کا تضاد، مردوں کی بربریت اور عورتوں کی غلامانہ ذہنیت، کوہستانی دوشیزہ کا مثالی حسن اور پھر اس مثالی حسن کی فروخت چند روپہلی ٹکلیوں کے عوض، وہ روپہلی ٹکلیاں جن سے لگان ادا ہو سکتا ہے زمین رہن ہونے سے بچ سکتی ہے اور زندگی اپنی تمام تر صعوبتوں اور مسرتوں کے ساتھ جاری رہ سکتی ہے۔ کشمکش حیات اپنی بنیادی سچائی کے ساتھ ان افسانوں میں جلوہ گر ہے۔ ان افسانوں میں احمد ندیم قاسمی زندگی سے گریز کرتا نظر نہیں آتا، بلکہ اسے چھو لینے کے لیے بے قرار دکھائی دیتا ہے۔"(۵)

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں فرد کو معاشی ناآسودگی کے تناظر میں بھی کافی موثر انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ احمد ندیم قاسمی ترقی پسند افسانہ نگار ہیں۔ اگرچہ ترقی پسندی کے حوالے سے بھی انہوں نے اپنے لیے باقی ترقی پسندوں سے مختلف اور منفرد راستہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زندگی کے حوالے سے ذاتی اپج کے باوجود قاسمی صاحب سر تا پا ترقی پسند ہیں اور ان کی یہ ترقی پسندی مادی بنیادوں پر زندگی کی تشریح و تعبیر کے لیے راستہ ہموار کرتی ہے۔ زندگی ان کے نزدیک کہانی کے لیے اہم ہے۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنے انٹرویوز اور افسانوی مجموعوں کے دیباچوں میں بھی کیا ہے۔ بہر حال ان کا تمام تخلیقی سفر زندگی کے ساتھ متوازی انداز سے سفر طے کرتے کرتے مکمل ہوا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول احمد ندیم قاسمی اپنے ابتدائی افسانوں میں زندگی کے مصور رہے پھر مفسر اور آخر آخر ایک ایسے ناقد اور داعی بن کر سامنے آئے جن

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33
ماخذ تحقیقی مجلہ

کے یہاں زندگی اور ادب دو الگ الگ چیزیں نہیں رہیں بلکہ اکائی بن گئی ہیں۔[۶] ڈاکٹر افشاں ملک بھی احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں مادی بنیادوں پر انسانی دکھوں کی تشخیص اور علاج کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قاسمی صاحب کے حوالے سے اپنے تحقیقی مقالے میں وہ دعویٰ کرتی ہیں کہ احمد ندیم قاسمی کے فنی اور تخلیقی زاویہ نظر میں جو عناصر شامل ہیں ان میں سماجی عدم مساوات کے خلاف قلم کی جدوجہد، غریبی، مفلسی اور بے مائیگی کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے تخلیقی کارگزاری، محبت و اخوت اور غیر طبقاتی سماج کے لیے فنکارانہ جدوجہد یہ سب مل کر احمد ندیم قاسمی کے تخلیقی رجحان کی تعمیر کرتے ہیں۔[۷]

معاشی نآسودگی کے راستے انسانی کرب کا سراغ لگانے کی کوشش قاسمی صاحب کے اکثر افسانوں میں ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار جب معاشی تنگدستی کی زد میں آتے ہیں تو مذہب، ملت، رنگ، نسل اور جغرافیہ ان کے ہاں ثانوی حیثیت اختیار کرلیتا ہے اور ان کی انسانی حیثیت دیگر تمام حوالوں پر مقدم ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں افسانہ "ہیرا" کا نسوانی کردار زینو بھی اہم ہے جس کے شوہر فوج میں تھے اور دوسری جنگ عظیم میں جاپان کے خلاف لڑتے لڑتے دماغی مریض بن کر واپس لوٹے۔ اس کے بعد زینو پر کیا گزری وہ ایک ایسا المیہ ہے جو پڑھنے والے کو خون کے آنسو رلا دیتا ہے۔ اس کے زیور بک جاتے ہیں۔ گھر کا سامان بک جاتا ہے۔ وہ جاگیر دار کے گھر پر کپڑے دھونے، پانی بھرنے اور چکی پیسنے لگتی ہے۔ وہ اپنے بچے کو بھی سنبھالتی ہے اور شوہر کو بھی۔ اس کی زندگی جو حسین لمحوں سے عبارت تھی، اب اس کے لیے بوجھ بننے لگی ہے وہ گاؤں کے خدا ترس لوگوں کے رحم و کرم پر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے شوہر کی معمولی معمولی باتوں پر بگڑنے کو بھی برداشت کرتی ہے۔ اس کا کردار انسانی حیثیت سے پڑھنے والوں کو اپیل کرتا ہے اور ع۔ "سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے" کے مصداق پڑھنے والوں کی ہمدردی بٹورنے میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اس قسم کے کرداروں کی تخلیق قاسمی صاحب کے انسان دوستانہ تخلیقی حس کی بنا پر وجود میں آئے ہیں۔ جس میں قسمت، نوآبادیاتی قوتوں کی انسان دشمن پالیسیوں کے نتیجے میں برپا ہونے والی جنگیں اور ان کے نتیجے میں گھر کی اکائی اور فرد کی معاشی زندگی پر اس کے پڑنے والے منفی اثرات شامل ہیں۔

افسانہ "خربوزے" میں بھی معاشی نآسودگی کے حوالے موجود ہیں۔ ننھے کی بیوہ ماں، ننھے کی ننھی منھی خواہشات، ذیلدار کے گھر غریب عورتوں مثلاً ننھے کی ماں کا چکی چلانا، بخشو کا سفاکانہ رویہ ۔۔۔ ایک بے بس اور مظلومانہ فضا کو جنم لینے کا باعث بنتے ہیں۔ زندگی کے بے رحم ہاتھوں کا نتیجہ ہے کہ اس کی ماں اور بخشو کی طرف سے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

لگائے گئے طمانچے ایک جتنی شدت رکھتے ہیں۔ انسان دوستی کے حوالے سے بچے زیادہ توجہ حاصل کرتے ہیں۔ ان کی مظلومیت ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں انسان دوستی کے یہ حوالے مظلوم کرداروں کی بدولت سامنے آتے ہیں۔ یتیم بچے، بیوائیں اور ان کی چھوٹی موٹی خواہشات انسانی ہمدردی کا شدید جذبہ اپنے پس منظر میں رکھتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کی فضا انسان دوستی کی حس کو تحریک دینے کا باعث بنتی ہے۔ افسانہ خربوزے بھی اس کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ بخشو کے اٹھے ہوئے ہاتھ اتنی شدت سے منھے کے چہرے پر اس وجہ سے پڑتے ہیں کہ اسے یہ پتہ ہے کہ وہ ایک غریب اور بے سہارا بچہ ہے اور معاشی ناآسودگی کی شکار ماں کا یتیم بیٹا ہے۔

افسانہ "ننھے نے سلیٹ خریدی" میں بھی ایک ایسے ہی منھے کا کردار موجود ہے۔ لیکن اس کے مسائل افسانہ خربوزے میں موجود منھے کے مسائل سے مختلف ہیں۔ اسے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ پھٹے پرانے چپلوں میں اس کے پاؤں میلے کچیلے بن چکے ہیں۔ اگر اس کے پاؤں بھی بیل کے سموں کی طرح ہوتے تو میلے کچیلے نظر نہ آتے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا ہوتا ہے کہ اس علاقے کا بڑا رئیس مشکی گھوڑے پر سوار نظر آیا اور اس کے پاؤں دودھ کی طرح سفید اور پاک تھے۔ اس کا نقطہ نظر فوراً تبدیل ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اتنے اچھے صاف پاؤں۔ سم کیا شے ہے ان کے مقابلے میں! مگر میں بھی تو ایک انسان کا بیٹا ہوں۔ میرے پاؤں اتنے غلیظ کیوں ہیں۔[۸] دنیا جس نظام کی بنیاد پر قائم ہے وہ انسان دوستی کی بجائے استحصال پر مبنی نظام ہے۔ اس دنیا میں کسی کے پاس سینکڑوں اور ہزاروں ایکڑ کی زمین ہے اور کسی کے پاس گھر بنانے کے لیے ایک مرلہ تک نہیں۔ کسی کے وسائل اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آتے اور کوئی تین وقت کی روٹی کے لیے ترس رہا ہے۔ کسی کی تجوریاں بھری ہوئی ہیں اور ننھے کے والد کے پاس اتنی معمولی سی رقم بھی نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کے لیے سلیٹ خرید سکے۔ مجبوراً قرض لینا پڑتا ہے۔ ہنستے گاتے، زندگی سے لطف اندوز ہوتے اور روتے بسورتے اور کراہتے ہوئے انسانوں کے درمیان یہ تفریق اگر انسان دوستانہ بنیادوں پر حل ہوتی تو اس قسم کے مسائل جنم نہ لیتے۔ اور نہ ہی وہ معاشی ناآسودگی جنم لیتی جس کے نتیجے میں ایک بچہ کھلونوں کی بجائے پڑھنے کے لیے ضروری چیز سلیٹ کے لیے ترستا ہے۔ غربت کی لکیر کے نیچے جنم لینے والے بچوں پر تعلیم کے دروازے معاشی ناآسودگی کے نتیجے میں بند ہو جاتے ہیں۔

قاسمی صاحب کے افسانوں میں ایسے کردار بھی ملتے ہیں جو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کمزور، مجبور اور بے بس انسانوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ انہی کرداروں کی وجہ سے غریب انسانوں کی روزی روٹی کا سامان پیدا ہوتا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

ہے۔اس سلسلے میں ایک اہم کردار افسانہ "کپاس کا پھول"کا نسوانی کردار راحتاں بھی ہے جو اپنے پڑوس میں رہنے والی مائی تاجو کے ساتھ ہمدردی رکھتی ہے اور اس کے لیے بروقت کھانا پہنچاتی ہے۔وہ مائی تاجو کی خاطر گھر والوں سے لڑتی جھگڑتی بھی ہے اور جب مائی تاجو ناراض ہوتی ہے تو اس کی منتیں بھی کرتی ہے۔مثلاً جس دن مائی تاجو ناراض ہوئی تھی، توراحتاں اور اس کی ماں کے درمیان کچھ تیز تیز باتیں ہوئیں اور پھر راحتاں رونے لگی۔ جس کے نتیجے میں فتح دین نے کہا کہ سونے دوگی یا میں چوپال پر جاکر پڑرہوں۔(۹) مائی تاجو کی معاشی ناآسودگی اور احتیاج نے نہ صرف اس کے لیے مسائل پیدا کیے ہیں بلکہ مائی تاجو سماج کے لیے بھی مسئلہ بن گئی ہے۔اگرچہ راحتاں اس کا خیال رکھتی ہے لیکن راحتاں کے گھر میں اس کا احتیاجی وجود مسائل کو جنم لینے کا باعث بنتا ہے۔

قاسمی صاحب کے افسانوں میں سرمایہ دارانہ قوتوں کا وہ بھیانک روپ بھی دیکھنے کو ملتا ہے جس نے انسانیت کو جہنم کے دہانے لا کھڑا کیا ہے۔زمین میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ انسانوں کی ضروریات سے بڑھ کر اناج پیدا کرتی ہے لیکن اس کے باوجود انسانیت کو غربت، افلاس، بھوک، قحط اور دیگر مصائب اور آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس سلسلے میں سرمایہ دارانہ قوتیں ایسے حربے استعمال کرتی ہیں جن کی وجہ سے انسانوں کی ضرورت میں اضافہ کیا جائے اور پیداواری ذرائع اپنے تسلط میں لیے جائیں۔سرمایہ داریت کی حریصانہ سوچ غلے کے حوالے سے مصنوعی بحران پیدا کر دیتی ہے۔جنگیں مسلط کر دیتی ہیں۔ٹیکس اور لگان میں اضافہ کرتی ہے تاکہ لوگوں کی قوت خرید کم ہو جائے اور یوں انسانوں کو زیادہ سے زیادہ مجبور بنا کر ان کے جسم سے خون کو چوس لیا جائے۔قحط بنگال کی وجہ یہ نہیں تھی کہ زمین پر غلے کی مقدار کم ہو گئی تھی بلکہ اس کی کئی ایک اہم وجوہات میں سے ایک اہم وجہ برطانوی نوآبادیاتی نظام کی وہ پالیسیاں بھی تھیں جن کے نتیجے میں بنگال سے غلہ غائب ہوتا چلا گیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں دوسری جنگ عظیم کا عنصر بھی شامل تھا لیکن دیکھا جائے تو جنگ عظیم کے چھڑنے کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی کہ زمین کے وسائل پر طاقتور قوتیں زیادہ سے زیادہ حق جتانا چاہتی تھیں اور ایک دوسرے پر سیاسی، عسکری اور اقتصادی برتری کی دھاک بٹھانا چاہتی تھیں، جن کی باہمی رسہ کشی کے نتیجے میں پوری دنیا کو جنگ کی آگ میں کودنا پڑا۔جنگ بھی سرمایہ دارانہ قوتوں کا ایک ہتھیار ہے جس کے پس منظر میں مختلف کاروباری لابیز اور قوتوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔اسلحے کے کارخانے جنگ کی وجہ سے چلتے ہیں۔اشیائے خوردونوش کی قیمتوں میں اضافہ جنگ کی وجہ سے ہوتا ہے۔جنگ ہی کی وجہ سے مختلف قوتوں کے سیاسی اثرورسوخ کا تعین ہوتا ہے اور پھر اس کے مطابق دنیا کے سیاہ وسفید کی ملکیت میں انہیں وقیع حصہ ملتا ہے۔جنگ کے ذریعے سیاسی غلبہ حاصل ہوتا ہے۔اس سلسلے میں سرمایہ دارانہ قوتوں کا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33
ماخذ تحقیقی مجلہ

ایک اور بھیانک رخ بھی سامنے آتا ہے کہ طاقت میں توازن پیدا کرنے کے لیے وہ اپنے وطن کو میدان جنگ بنانے کی بجائے کسی اور ملک یا علاقے کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ نقصان میدان جنگ بننے والے ملک کو اٹھانا پڑتا ہے اور فوائد سرمایہ دارانہ قوتیں بٹورتی ہیں۔ سرمایہ ان کے پاس جاتا ہے اور معاشی اعتبار سے تباہ حالی غلام اور کمزور اقوام کے حصے میں آتی ہے۔

اس سیاسی اور اقتصادی رسہ کشی کا اثر تیسری دنیا کے ممالک پر قحط اور بھوک اور افلاس اور مہنگائی کی صورت میں پڑتا ہے۔ جس کے نتیجے میں لوگوں کا معیارِ زندگی غربت کی آخری لکیر سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ غربت کا اثر انفرادی اور اجتماعی زندگی پر پڑتا ہے۔ نتیجتاً اخلاقیات کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ یہ جو "اور خدا دیکھتا رہا" کے عنوان سے ناول وجود میں آئے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ سرمایہ دارانہ قوتوں کی باہمی رسہ کشی میں مذہب اور اس کے عقائد کی صحت بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ جنگ کی چاہے کتنی ہی خوبصورت تاویل کیوں نہ پیش کی جائے لیکن اس بات سے انکار مشکل ہے کہ جنگ انفرادی اور اجتماعی سطح پر تباہیاں لاتی ہے۔ جنگ کی وجہ سے خاندانی زندگی تباہ وبرباد ہو جاتی ہے۔

سرمایہ دارانہ قوتیں جن کی قابل نفرت صورت نو آبادیاتی نظام ہوتا ہے، غریب قوموں کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کی پر مجبور کرتی ہیں۔ بنگال اس سلسلے میں سب سے زیادہ بدتر صورتحال سے دوچار رہا۔ اس کی ایک وجہ وہاں پر موجود قدرتی مسائل بھی تھے۔ سیلاب آتے تھے جن کی وجہ سے فصلیں تباہ ہو جاتی تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بنگال میں انگریزی نو آبادیاتی نظام کا باقی ہندوستان کے مقابلے میں طویل عرصے سے وجود بھی تھا۔ جس کا نتیجہ بھوک اور موت کی حکمرانی کی صورت میں نکلا۔ بھوک اور افلاس کی صورت میں موت رحمت خداوندی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جو بھوک اور افلاس کے مارے انسانی ڈھانچوں کو زندگی کے عذاب سے نجات دلا دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افسانہ "موت" میں موت راوی کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ موت کیونکر اپنے ٹھکانے تبدیل کر کے آوارہ گردی کی طرف مائل رہتی ہے۔ مصنف موت کی زبانی راوی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

> "مگر ٹیگور اور نذرالاسلام کے وطن میں ان جھونپڑیوں کا بھی خیال رکھو جہاں ریڑھ کی ہڈی سے چپکے ہوئے پیٹ اور کانوں سے اوپر اٹھی ہوئی شانوں کی ہڈیاں کھینچ کھینچ کر میری دستگیری کی دہائی دے رہی ہیں۔"(۱۰)

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

احمد ندیم قاسمی کا ترقی پسندانہ شعور ان انسانوں کو توجہ کا مرکز بناتا ہے جو شدت کے ساتھ معاشی ناآسودگی کا شکار ہیں۔ جو زندگی اور موت کے درمیان اٹکے ہوئے ہیں۔ جن کے منہ ایک نوالے کے لیے ترس رہے ہیں جو بین الاقوامی غاصبوں کے استحصال کا شکار ہیں۔ ہندوستان جہاں سے مصنف کا تعلق ہے، اس کی توجہ کا خصوصی مرکز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فنکار کا اپنے خطے کے ساتھ ساتھ بڑا قریبی رشتہ ہوتا ہے۔ حقیقت پسندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پہلے گردوپیش میں موجود آہوں اور کراہوں کو محسوس کیا جائے اور انہیں صفحہ قرطاس پر جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں معاشی حوالوں سے انگریز دور حکومت کے انسان بکثرت ملتے ہیں جو عزت نفس سے بھی محروم ہیں اور جن سے لگان ان کی پیداوار کے مقابلے میں زیادہ لیا جاتا ہے۔ ایک انسان دوست افسانہ نگار کی حیثیت سے ان کے افسانوں میں ایسے انسانوں کی کراہیں بآسانی سنی جاسکتی ہیں۔ مثلاً معاشی ناآسودگی کے سلسلے میں قاسمی صاحب کا افسانہ "توبہ میری" بھی اہم ہے۔ جس میں ایک ایسے نوجوان اور اس کے بوڑھے ماں باپ کی کہانی بیان کی گئی ہے جو غربت اور افلاس کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔

بوڑھا اور بڑھیا اپنے بیٹے کی شادی کی فکر میں ہیں۔ اور اس کی کمائی اس پر خرچ کرنا چاہتے ہیں اس سلسلے میں انہوں نے اس کی کمائی بڑی سنبھال کر رکھی ہے اور ان کی کوشش ہے کہ وہ کم سے کم کھائیں تاکہ وہ اپنے بیٹے کی شادی اپنی بساط کے مطابق خوب دھوم دھام سے کر سکیں۔ کریم (ان کا بیٹا) بیمار ہے۔ وہ بیل گاڑی چلا کر محنت مزدوری کرتا ہے اور ملک صاحب کے ساتھ کام کر کے چونی کما لیتا ہے۔ بیماری کے بعد اس کی حالت تھوڑی سی ہی بہتر ہوئی تھی کہ ملک صاحب آئے اور اس نے کہا کہ جنگ کی وجہ سے گندم کے بھاؤ چڑھ چکے ہیں۔ اس لیے سو بوریاں قصبے پہنچانی ہیں اور صبح تک پہنچ جانی چاہئیں اور وہ چھ آنے کی لالچ دیتا ہے۔ کریم بیماری کی حالت میں چلا جاتا ہے اور صبح ریڑھی پر اس کی لاش آجاتی ہے۔ ایسے میں بوڑھا اور بڑھیا کی حالت دیکھ کر انسان دوستی کی حس کو تحریک ملتی ہے اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہم ان کے ساتھ محبت کرنے لگتے ہیں۔ انسان جو غربت کے ساتھ لڑتا ہے اور غربت کے ساتھ لڑتے لڑتے فوت ہو جاتا ہے۔ غربت ایک ایسی لعنت ہے جو غریب کو اپنی استطاعت سے بڑھ کر محنت پر مجبور کرتی ہے۔ کریم کے والدین لگان ادا نہیں کر سکتے اور صاحب بہادر کے ہاتھوں بے عزت ہوتے ہیں۔ کریم بیمار ہوتا ہے تو بیٹے کی شادی کے لیے ساری جمع پونجی دوا دارو پر لگ جاتی ہے۔ لگان بڑھیا کی بالیاں اتار کر ادا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

ماخذ تحقیقی مجلہ

کیا جاتا ہے اور دورانِ بیماری محنت مزدوری کریم کی جان لیتی ہے۔ ان کے نوجوان بیٹے کی موت اس کہانی کو المیہ رنگ سے بھر دیتی ہے۔ اس کی ماں نے اسے منع بھی کیا تھا کہ تو بیمار ہے۔ لیکن کریم نے کہا تھا:

"آخر ہم لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر یوں آرام کرنے لگے تو پیٹ کیسے بھرے گا۔ اور ہنسلیاں کڑے اور شلواریں کیسی بنیں گی۔"(۱۱)

معاشی ناآسودگی کا نتیجہ ہے کہ ایک غریب نوجوان شادی نہیں کر سکتا اور زندگی کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے بیماری کے دوران بھی محنت کرنے پر مجبور ہے اور اپنی زندگی کی بازی ہار جاتا ہے۔

قاسمی صاحب کے افسانوں میں اس تلخ حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے کہ معاشرے میں دولت ہی سکہ رائج الوقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ اس میں دولت چند ہاتھوں میں رہتی ہے اور باقی ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں انسان ان چند ہاتھوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ چند ہاتھ حکومتوں میں آتے ہیں، قانون بناتے ہیں۔ اصول بناتے ہیں۔ قوت اور طاقت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ غریبوں کو بھوک اور افلاس کی حالت میں زندہ رکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس میں کچھ زیادہ قصور ان کا بھی نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کا نظام کا حصہ ہوتے ہیں جس سے ہٹ کر چلنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن ایک ترقی پسند افسانہ نگار ہونے کے ناطے قاسمی صاحب کے افسانوں میں ان طبقات کے خلاف غم و غصہ پایا جاتا ہے جن کے پاس دولت اور رزق اور وسائل کی ریل پیل ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں غریب انسان زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے۔ ایسی صورتحال میں جذباتی ردعمل کا پیدا ہو جانا فطری امر بھی ہے۔ مثلاً افسانہ "ہیرا" کا کردار وریام جنگ سے آیا ہے اور نفسیاتی مریض بن چکا ہے۔ اس میں احساس خودداری بے روزگاری اور بیماری کے باوجود موجود ہے۔ اس کا ضمیر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ یا اس کی بیوی کسی سے خیرات لے لے۔ جاگیردار کے بیٹے کے چالیسویں پر جاگیردار کے گھر سے پلاؤ آتا ہے۔ تو وہ اپنی بیوی کے ساتھ الجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ وہ ہمارے کیا لگتے ہیں کہ انہوں نے بھیجا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہوتا ہے کہ اتنے میں میراثن آتی ہے اور کہتی ہے کہ ملکانی کہہ رہی ہیں کہ بہت سا گوشت بھی بچ گیا ہے۔ آ کے لے جاؤ۔ وریام اس سے کہتا ہے کہ ملکانی سے کہو کہ کتوں کے آگے ڈالے دے۔ میراثن جواب میں کہتی ہے کہ ہم بھی تو کتے ہیں وریام خان۔ غریب آدمی بھی تو گلی کا آوارہ کتا ہوتا ہے۔(۱۲) ایسے مواقع پر قاری کے ذہن میں فیض احمد فیض کی نظم کتے گردش کرنے لگتی ہے۔ یہ گلیوں کے آوارہ بے کار کتے۔۔ کہ بخشا گیا جن کو ذوق گدائی۔۔ غریب کی مجبوری اور خودداری کی اس کشمکش میں عظیم انسانی اقدار کا احساس ہوتا ہے اور یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ طبقاتی تقسیم

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

ماخذ تحقیقی مجلہ

نے انسانوں کے درمیان کتنے زیادہ فاصلے پیدا کر لیے ہیں۔ جس کے نتیجے میں نیکی کرنے والی ایک خاتون جس کا تعلق جاگیر دار خاندان سے ہے اور جس کے بیٹے کا چالیسواں ہے، اس کی طرف سے ملی ہوئی خیرات کو بھی اس تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سسٹم کی خرابیاں ملکانی کی نیکی پر بھی پردہ ڈال دیتی ہیں۔

قاسمی صاحب کے افسانوں میں معاشی ناآسودگی کا عنصر روح کی طرح رواں دواں ہے۔ اس سے ان کی فکر کو قوت اور ندرت ملتی ہے اور اس کے زیرِ اثر انہوں نے ایسی کہانیاں تخلیق کی ہیں جن میں معاشی ناآسودگی ایک مشترکہ عنصر کے طور پر موجود ہونے کے باوجود فکر کی افق کے نئے در واکرنے اور انسانی باطن میں جھانکنے کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔ مثلاً "ہیروشیما سے پہلے ہیروشیما کے بعد" میں شمشیر خان اپنے بیٹے کی شادی کرتا ہے تو مقروض بنتا ہے اور پھر شادی کے تازہ دنوں میں وہ اپنے بیٹے اور بہو کو آواز دیتا ہے کہ دیا بجھا دو۔ تیل ضائع ہو رہا ہے۔ مہاجن کا مقروض شمشیر خان اپنے نوجوان بیٹے دلیر خان کو جنگ کے دنوں میں فوج میں بھرتی کراتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے اور پھر بحیثیت باپ احساس جرم کا شکار ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ہی ہاتھوں اپنے بیٹے کو موت کے منہ میں دھکیل دیا ہے۔ معاشی ناآسودگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ مہاجن سے کہتا ہے:

> "کب تک دیتا رہوں گا قسطیں؟ میں نے تمہاری قسطوں کے لیے اپنا بچہ موت کے منہ میں ڈال دیا۔ اپنے آنگن کی رونق لٹوا دی۔ تو نے میرے دلیر کو رڑکا۔ اب تو میرے شیر کو بھی چبائے گا۔" (۱۳)

معاشی ناآسودگی ہی کے نتیجے میں سود پر قرضہ لینے کی صورت میں اس کی نسل در نسل مقامی مہاجن اور انگریز سرکار کی غلام ہو کر رہ گئی ہے۔ معاشی ناآسودگی کا ایک اور روپ افسانہ "الحمدللہ" میں بھی ہے۔ مولوی ابوالبرکات اپنی بیٹیوں کی شادیوں کی وجہ سے پریشان ہے۔ چودھری فضل دین اس کی مدد کر رہا ہے لیکن مدد بھی بالآخر کہاں تک کی جائے۔ ان کے عمر بھر کی جمع پونجی پہلی بیٹی کی شادی پر خرچ ہو جاتی ہے اور اس کی بیٹی کے سسرال والے کافی لالچی ہیں۔ مولوی ابل کے لیے نواسے کی پیدائش کے بعد وہاں جانے کی بھی کوئی صورت روپے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بنتی۔ ان پریشانیوں کا نتیجہ ہے کہ دورانِ امامت نماز میں اس سے غلطی سرزد ہوتی ہے تو چودھری اسے دھیمے انداز سے ٹوکتا ہے۔ مولوی ابل جو اولادِ نرینہ سے محروم ہے، دل میں کہتا ہے:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

"آپ کے ہاں تو لونڈوں کی کھیپ ہے نا چودھری صاحب! آپ کے بھی کوئی بیٹی ہوتی اور وہ اب جوان ہو گئی ہوتی تو میں سمجھاتا کہ ایک سورت کو دو مرتبہ کیسے پڑھ لیا جاتا ہے۔"(۱۴)

معاشی ناآسودگی ہی نے افسانہ "کنجری" کے سرور اور اس کی ماں کو مولوی کے گھر نو مولود چھوڑی ہوئی کمالاں کے پاس واپس پہنچا دیا ہے، اس لیے کہ وہ اب جوان ہو گئی ہے اور ان کی معاشی ضرورتیں پوری کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ معاشی ناآسودگی کا ہی نتیجہ ہے کہ افسانہ رئیس خانہ کا فضلو شرافت کو تج کر کے آہستہ آہستہ دلالی شروع کرتا ہے اور کہانی کے اختتام پر اپنی ہی بیوی مریاں کو یوسف کے بستر کی زینت بنا دیتا ہے۔ ان تمام حوالوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو معاشی ناآسودگی کو قاسمی کی کہانیوں میں ان کے بنیادی فکر کی اساس قرار دیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات

1.https://www.almaany.com/ur/dict/arur/%D9%85%D8%B9%D8%A7%D8%B4/#google_vignette

۲۔ فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات، فیروز سنز لاہور، ۲۰۱۰۔ ص۔ ۱۲۶۰

۳۔ فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات، فیروز سنز لاہور، ۲۰۱۰۔ ص۔ ۲۱

4. Plato,The Republic,translated by Tom Griffith,Cambridge University press,UK.2018.P.115

۵۔ کرشن چندر، دیباچہ مشمولہ بگولے، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد اول، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۸۔ ص، ۳۲۶

۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی، انڈیا، ۱۹۸۲۔ ص، ۲۴۱

۷۔ افشاں ملک، ڈاکٹر، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی: آثار و افکار، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۷ ص، ۱۱۶

۸۔ احمد ندیم قاسمی، ننھے نے سلیٹ خریدی، مشمولہ بگولے، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد اول، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸۔ ص، ۳۵۲۔ ۳۵۳

۹۔ احمد ندیم قاسمی، کپاس کا پھول، مشمولہ کپاس کا پھول، مجموعہ احمد ندیم قاسمی، جلد دوم، ایضاً۔ ص، ۳۱۹

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، موت، مشمولہ، آس پاس، جلد اول: ص، ۱۵۴

۱۱۔ احمد ندیم قاسمی، توبہ میری، مشمولہ بگولے، جلد اول، ص، ۳۴۳

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-33

ماخذ تحقیقی مجلہ

۱۲۔احمد ندیم قاسمی، ہیرا، مشمولہ، بازارِ حیات، جلد اول، ص، ۳۱۴

۱۳۔احمد ندیم قاسمی، ہیر وشیما سے پہلے ہیر وشیما کے بعد، مشمولہ، آبلے، جلد دوم: ص۔ ۴۹۲

۱۴۔احمد ندیم قاسمی، الحمد للہ، مشمولہ سناٹا، جلد اول: ص۔۷۰۷